پروفیسر غلام رسول عدیم

آل انڈیا مسلم لیگ

پس منظر

1857ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمان بتدریج پستیوں کا شکار ہوتے چلے گئے۔ ایک طرف انگریزی تسلط اور دوسری طرف ہندوؤں کی انگریز سے ملی بھگت نے مسلمانان ہند کے مستقبل کو بظاہر تاریک کر دیا۔ اگرچہ ایک سیاسی جماعت انڈین نیشنل کانگریس کے نام سے سامنے آ چکی تھی مگر اسلامیان ہند اپنے حقوق کے تحفظ کا کوئی بھی ذریعہ نہیں پا رہے تھے۔ اس عدم تحفظ کا احساس اور بھی بڑھ گیا جب حالات کے تھپیڑوں نے کچھ ایسے واقعات کو جنم دیا جس سے مسلمانوں کے دلوں میں یہ شدید احساس ہوا کہ اب اپنے سیاسی مفادات کو محفوظ کرنے کے لیے انہیں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر ایک سیاسی تنظیم تشکیل دینا چاہیے۔ ان بہت سارے اسباب وعلل میں سے چند ایک یہ ہیں جن میں سے بعض کے ڈانڈے 1857ء سے پہلے کے حالات سے ملتے ہیں۔

1- بنگال کے کسانوں کا استحصال

گورنر جنرل لارڈ کارنوالس Cornwallis (1793-1786) نے بنگال میں زمین کا دوامی بندوبست کر کے ہندو زمین داروں کا تسلط قائم کر دیا اور کسانوں کو ہمیشہ کے لیے استحصال کی گرفت میں دے دیا۔ اس کے خلاف تیتو میر نے آواز اٹھائی اور پھر فرائضی تحریک کی صورت میں حاجی شریعت اللہ نے کسانوں کی داد رسی کے لیے احتجاج کیا مگر اس وقت انگریز کا طوطی بول رہا تھا' کسانوں کی حالت سدھر نہ سکی۔

2- اردو ہندی کا جھگڑا

1867ء میں بنارس کے ہندوؤں نے اردو کے رسم الخط کے خلاف شدید مہم چلائی اور کہا کہ ہندی زبان سارے ملک میں رائج ہونی چاہیے اور وہ بھی دیوناگری رسم الخط میں سر سید جو اس سے پہلے ہندوستانی قومیت کے حق میں تھے' اب پورے یقین سے یہ کہنے میں حق بجانب تھے کہ اب ہندو اور مسلمان اکٹھے نہیں رہ سکتے۔

3- گائے کے ذبیحے کا مسئلہ

1882ء میں سوامی دیانند سرسوتی کی قائم کی ہوئی آریہ سماج تحریک نے گئور کھشا سبھا قائم کی اور پابندی لگا دی کہ کوئی شخص گائے کو ذبح نہیں کر سکتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان مناقشت کی فضا قائم ہو گئی۔

4- ہندوؤں کی فرقہ پرست جماعتیں

انڈین نیشنل کانگریس اپنے طرز عمل سے یہ ثابت کر ہی چکی تھی کہ وہ ہندوستانیوں نہیں، ہندوؤں کے مفادات کی محافظ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بعض دوسری انتہا پسند تنظیمیں بھی سامنے آ گئیں۔ ان میں ایک آریہ سماج تھی جو مذہبی محاذ پر اسلام اور پیغمبر اسلام پر دریدہ دہنی سے گند اچھالتی اور یہ نعرہ دیتی کہ مسلمان یا ہندو ہو جائیں یا ملک چھوڑ دیں۔ 1900ء میں بھارت مہا منڈل کے نام سے ایک ہندو فرقہ وارانہ جماعت ابھری جسے 1906ء میں ہندو مہا سبھا کا نام دیا گیا۔ اس کے علاوہ پرارتھنا سماج، دیو سماج جیسی تنظیموں سے تحت فرقہ وارانہ منافرت پھیلی۔

5- ہندو لٹریچر

اس دوران میں ہندو ادیبوں اور شاعروں نے بنگالی اور مرہٹی اور ہندی زبانوں میں نہایت منافرت آمیز اور شر انگیز لٹریچر شائع کیا۔ ان کتابوں میں مسلمانوں کو غاصب، ظالم اور نا اہل ظاہر کیا گیا۔

6- کانگرس کا بے بنیاد دعویٰ

انڈین نیشنل کانگریس نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ برصغیر کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ شروع شروع میں اگرچہ اس نے راہ اعتدال اختیار کی مگر جب بال گنگا دھر تلک نے اپنے انتہا پسندانہ اور متشددانہ رویے کا اظہار کیا تو سیواجی مرہٹہ کو قومی ہیرو قرار دیا اور مسلمانوں کو جابر، ظالم، ڈاکو اور لٹیرے کہا۔ اس سے پہلے 1893ء میں پونا میں گن پتی کے میلے کا بندوبست کیا جو دس دن تک رہتا اور مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز پراپیگنڈہ کیا جاتا۔

7- تقسیم بنگال کا رد عمل

جب 1905ء میں لارڈ کرزن نے انتظامی سہولت کے لیے بنگال کی تقسیم کا اعلان کیا

اور اسے مشرقی بنگال بشمول آسام اور مغربی بنگال میں تقسیم کر دیا تو مشرقی بنگال کے مسلمانوں کو قدرے سکھ کا سانس نصیب ہوا۔ ڈھاکہ صدر مقام تھا۔ تین کروڑ دس لاکھ کی آبادی میں مسلمان بھاری اکثریت میں تھے مگر یہ بات مغربی بنگال کے ہندو زمین داروں اور کلکتے کے سرمایہ داروں، وکیلوں اور غیر حاضر زمینداروں کو قطعاً" ناپسند تھی۔ اس کے رد عمل کے طور پر تقسیم بنگال کی مخالفت میں کلکتے کے سرندر ناتھ بیزجی کی قیادت میں زبردست مظاہرے ہوئے۔ جواز یہ پیش کیا گیا کہ بنگالی قومیت کی وحدت، زبان اور تمدن کو سخت نقصان کا اندیشہ ہے۔ ادھر مسلمانان بنگال میں نہ صرف مشرقی بنگال بلکہ کلکتے میں بھی اظہار تشکر کیا۔ نواب سلیم اللہ خان نے تو تقسیم کے روز ہی 16 اکتوبر 1905ء کو منشی گنج کے جلسے میں بے خوشی کا اظہار کیا۔ حالات بتا رہے تھے کہ اگر ہندوؤں کا شدید رد عمل ایسے ہی رہا تو انگریزی حکومت دباؤ میں آکر کہیں شورش تحریک مسلم دشمنی اور دہشت گردی کے مخالفانہ طرز عمل پر جھک کر بنگال کی تقسیم کی تنسیخ نہ کر دے۔ حالات نے بتا دیا کہ ایسا ہی ہوا۔

یہ تھے وہ حالات جن کی وجہ سے برصغیر کے مسلمانوں نے مرتا کیا نہ کرتا کے پیش نظر ایک سیاسی تنظیم بنانے کا پختہ عزم کر لیا۔ سر سید احمد خان اگرچہ مسلمانوں کو سیاست میں حصہ لینے سے روکتے تھے مگر سید امیر علی جیسے لوگوں نے مسلمانان ہند کے لیے سیاسی تربیت کو ضروری خیال کیا اور 1877ء میں سنٹرل محمڈن ایسوسی ایشن کی بنا ڈالی جس کے اغراض ومقاصد سیاسی تھے۔

قیام مسلم لیگ

جب حالات کا دھارا مسلمانوں کے خلاف بہتا ہوا دکھائی دیا تو نواب محسن الملک کی کوششوں سے یکم اکتوبر 1906ء کو زعمائے اسلامیان ہند کا ایک وفد جو 70 ارکان پر مشتمل تھا، سر آغا خان کی قیادت میں شملے کے مقام پر اس وقت کے وائسرائے لارڈ منٹو (1905-1915) سے ملا اور برصغیر کی آبادی کے ایک چوتھائی چھ کروڑ دو لاکھ مسلمانوں کی ترجمانی کرنے کے لیے کچھ حقوق کا مطالبہ کیا۔ ان میں اہم مطالبات یہ تھے: 1- جداگانہ انتخاب، 2- مسلمانوں کی تاریخی اور سیاسی اہمیت کے پیش نظر آبادی کے تناسب سے زیادہ نشستیں دی جائیں، 3- سرکاری ملازمتوں میں تقرر کا خاص تناسب، 4- ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کا جج بنایا جائے، 5- یونیورسٹیوں کے سنڈیکیٹ اور سینٹ میں مسلمانوں کی نمائندگی،

6- علی گڑھ کالج کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بنانے کا مطالبہ۔

وائسرائے نے جواب تو ہمدردانہ دیا مگر ان مطالبات کے تسلیم کر لینے کی کوئی ضمانت نہ دی۔ ناگزیر ہو چکا تھا کہ مسلمان اپنی ایک الگ جماعت بنائیں اور یہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ شملہ وفد کے مطالبات کو عملی جامہ اس وقت تک نہیں پہنایا جا سکتا تھا جب تک مسلمانوں کی ایک الگ جماعت نہ ہو۔ آخر وہ لمحہ آن پہنچا جس کے لیے برصغیر کے مسلمانوں کا دل دیر سے دھڑک رہا تھا۔ نواب سلیم اللہ خان نے آل انڈیا مسلم کنفڈریسی کے نام سے ایک جماعت بنانے کی تجویز پیش کی تھی۔ 30 دسمبر 1906ء کو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے ڈھاکہ کے اجلاس میں نواب وقار الملک کی صدارت میں ایک خاص اجلاس ہوا جس میں نواب سلیم اللہ خان نے سیاسی تنظیم کے لیے قرارداد پیش کی۔ اس کا نام آل انڈیا مسلم لیگ قرار پایا۔ حکیم اجمل خان (دہلی) مولانا ظفر علی خان (لاہور) اور یوں 1857ء کے بعد انگریز کی انتقامی کاروائیوں' غیر مسلم اکثریت کے سیاسی غلبے سے چھٹکارے کے لیے مسلمانوں کی گزشتہ ایک صدی کی بد نصیبیوں کے مداوے کی راہیں کھل گئیں۔ تنظیمی ڈھانچہ کچھ یوں تھا: صدر 1' نائب صدر 6' سیکرٹری 1' جائنٹ سیکرٹری 2' مرکزی کمیٹی کے ارکان کی تعداد 40' عہدے کی مدت 3 سال' صوبائی مسلم لیگ کے عہدے داروں کی میعاد عہدہ 5 سال' ہر وہ مسلمان اس کا ممبر بن سکتا تھا جس کی عمر 25 یا اس سے زائد ہو اور ایک زبان پڑھ اور لکھ سکتا ہو۔ مرکزی دفتر علی گڑھ رکھا گیا۔ نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک پہلے جائنٹ سیکرٹری مقرر ہوئے۔

اغراض و مقاصد

1- ہندوستان کے مسلمانوں میں حکومت برطانیہ کے ساتھ وفاداری کا جذبہ پیدا کیا جائے اور حکومت کے اقدامات سے پیدا ہونے والی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جائے' 2- مسلمانوں کے حقوق اور مفادات کا تحفظ کیا جائے اور ان کو فروغ دیا جائے اور ان کی ضروریات اور خواہشات کو مودبانہ طور پر حکومت کے سامنے پیش کیا جائے' 3- مسلمانوں کے دوسرے فرقوں کے خلاف معاندانہ جذبات کو پیدا ہونے سے اس طرح روکا جائے کہ اوپر دیے ہوئے مقاصد میں بھی خلل نہ پڑنے پائے۔

کراچی میں زیر صدارت سر آغا خان پہلا اجلاس 1907ء میں منعقد ہوا جس میں

آئین مرتب کیا گیا اور اغراض ومقاصد کی وضاحت کی گئی۔ دوسرا اجلاس 1908ء میں سر علی امام کے زیر صدارت منعقد کیا گیا جس میں خصوصی طور پر یہ معاملات زیر بحث آئے: 1- لوکل بورڈوں کی تشکیل فرقہ وارانہ نمائندگی کی بنیاد پر کی جائے' 2- پریوی کونسل میں ایک مسلمان ایک ہندو کے اصول پر تقرر عمل میں لایا جائے' 3- اعلیٰ ملازمتوں میں مسلمانوں کو خاطر خواہ نمائندگی دی جائے۔

27 جنوری 1909ء سید امیر علی ایک وفد کے ہمراہ مارلے سے ملے اور اس بات پر زور دیا کہ عیسائیوں کو ہندوؤں کے ساتھ شامل نہ کیا جائے بلکہ انہیں ایک الگ حیثیت دی جائے۔ منٹو مارلے اصلاحات کے تحت جداگانہ انتخاب کا اصول تسلیم کر لیا گیا مگر ووٹ صرف مالی حیثیت سے منسلک رکھا گیا۔

1910ء میں ناگپور میں سید نبی اللہ کی صدارت میں اجلاس ہوا۔ دوسرے معاملات کے ساتھ ساتھ دفاعی اخراجات میں کمی پر بہت زور دیا گیا۔

1911ء مسلم لیگ اور کانگریس دونوں کا اجلاس الٰہ آباد میں ہوا۔ تنسیخ تقسیم بنگال کی وجہ سے مسلم سیاست کا رخ بدلا۔ وقتی ہندو مسلم اتحاد محض انگریز دشمنی کا نتیجہ تھا۔ ادھر دنیائے اسلام میں جنگ طرابلس کا آغاز ہوا۔ اٹلی نے بغیر الٹی میٹم دیے طرابلس پر حملہ کر دیا۔ ترکی نے مدد کرنا چاہی تو مصر سے فوجیں گزارنے کی اجازت نہ دی گئی۔ ادھر مسلم یونیورسٹی کی تحریک میں حکومت کی رکاوٹیں دل شکستگی کا باعث تھیں۔ حکومت نے صرف علی گڑھ کو یونیورسٹی کا نام دینے پر اصرار کیا۔ مسلم لگانے کی اجازت نہ دی۔ 1913ء میں بلقانی ریاستوں نے برطانیہ کی شہ پر ترکی کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا تو عالمی حالات اور بگڑے۔ سر آغا خان نے مسلم لیگ کی مستقل صدارت سے دستبرداری اختیار کر لی۔ ادھر مچھلی بازار کانپور میں مسجد کو شہید کرنے کا الم ناک واقعہ سامنے آیا۔ اگرچہ وائسرائے لارڈ ہارڈنگ نے خود کانپور پہنچ کر مسلمانوں کی اشک شوئی کی مگر مسلمان دلی طور پر مطمئن نہ ہوئے۔ 1914ء میں عالمی جنگ چھڑ گئی۔ مسلم لیگ کا کوئی سالانہ اجلاس نہ ہوا۔ اب مسلم لیگ کے اغراض ومقاصد کا از سر نو جائزہ لیا گیا اور ضروریات ومسائل کو متعین کرنے کی کوششیں ہونے لگیں۔ اب بنیادی طور پر مرکزی نکتہ یہ ٹھہرا کہ برصغیر کے لیے ذمہ دارانہ حکومت کا حصول ہو اور مسلمانوں کے مذہبی' سیاسی اور معاشرتی مفادات کا پوری طرح تحفظ کیا جائے۔

1916ء میں لکھنؤ میں مسلم لیگ اور انڈین نیشنل کانگریس کا اکٹھا اجلاس ہوا۔

صدارت محمد علی جناح نے کی اور یہاں ایک طرف تو ہندو مسلم اتحاد کچھ لو اور کچھ دو کے اصول پر قائم ہوا۔ خود مختاری کا سوال اٹھایا گیا۔ پہلی مرتبہ کانگریس نے جداگانہ انتخاب کو تسلیم کیا اور یہ بات طے ہو گئی کہ مرکزی کونسل میں مسلمانوں کے ارکان کی تعداد ایک تہائی ہو گئی۔ کونسلوں میں 1/5 نامزد اور 4/5 ممبر منتخب ہوں گے۔ مسلم اکثریت کے صوبوں بنگال اور پنجاب میں مسلم نمائندوں کی تعداد ان کی آبادی کے تناسب سے کم یعنی بنگال میں % 40 اور پنجاب میں % 50 ہو گی اور مسلم اقلیت کے صوبوں میں ان کے نمائندوں کی تعداد ان کی آبادی کے تناسب سے زیادہ ہو گی یعنی بمبئی میں 33 فی صد' یوپی میں 30 فی صد' مدراس میں 15 فی صد اور سی پی میں 15 فی صد ہو گی۔ اگر فریقین میں کسی ایک کے نمائندوں میں سے تین چوتھائی مخالفت کرے تو قانون سازی کے سلسلے میں اس پر غور نہیں کیا جائے گا۔ نیز صوبوں کو مناسب خود مختاری دے کر مرکز کا کنٹرول کم کر دیا جائے گا۔ اسے میثاق لکھنؤ کے نام سے یاد کیا گیا جو منفرد حیثیت کا حامل تھا اور قائد اعظم محمد علی جناح کی کوششوں کا ثمرہ تھا۔

1917ء میں راجہ صاحب محمود آباد کی صدارت میں اجلاس منعقد ہوا۔ اسلامی تہذیب وتمدن اور مذہب کی سربلندی کے لیے ایثار کا عزم تازہ کیا گیا۔ 1918ء میں جنگ عظیم ختم ہونے کے بعد تحریک خلافت اور تحریک عدم تعاون کا غلغلہ بپا ہوا۔ مگر ان کے فوراً" بعد پورے بر صغیر میں فرقہ وارانہ فسادات کا آغاز ہو گیا۔ ہندو مہا سبھا (بانی مدن موہن مالویہ) شدھی (سوامی شردھانند) سنگٹھن (ڈاکٹر مونجے) کی دہشت پسندانہ تحریکوں سے پورا بر صغیر دہشت گردی کی زد میں آ گیا۔ 1920ء سے 1924ء تک مسلم لیگ عملاً معطل رہی۔ 1924ء میں سر علی رضا کی صدارت میں لیگ کا اجلاس ہوا اور اس پر قائد اعظم کی مختلف تجاویز بالخصوص قانون ساز اسمبلیوں میں نمائندگی اور سرکاری ملازمتوں میں حصے پر از سر نو غور کیا گیا۔ فرقہ وارانہ فسادات کو روکنے کی تدابیر زیر بحث آئیں۔ 1925ء میں سالانہ اجلاس کی صدارت سر عبد الرحیم نے کی۔ ہندوؤں کے متشددانہ رویے پر کڑی تنقید کی گئی۔ یہ سیاسی تاریکی کی فضا 1928ء تک جاری رہی۔ 8 نومبر 1927ء کو آئینی مسائل کے حل کے لیے سائمن کمیشن کی تجاویز سامنے آئیں۔ مسلم لیگ دو دھڑوں میں بٹ گئی۔ سر شفیع لوگ جس کا اجلاس لاہور میں ہوا' سائمن کمیشن کے حق میں تھی۔ جبکہ جناح لیگ جس کا اجلاس کلکتے میں ہوا' اس کی سخت مخالف تھی۔

1928ء میں آل پارٹیز کانفرنس میں آزاد ہندوستان کا آئین تیار کرنے پر بات چیت ہوئی۔ شفیع لیگ نے بائیکاٹ کر دیا جبکہ جناح لیگ نے شمولیت کی۔ اسی سال نہرو رپورٹ سامنے آئی جس کے رد عمل کے طور پر جناح کے چودہ نکات منظر عام پر آئے۔ 1930ء میں الہ آباد کے سالانہ جلسے میں صدارتی خطبہ دیتے ہوئے علامہ اقبال نے ان خیالات کا اظہار کیا جو اس وقت تو مجذوب کی بڑ اور شاعر کا خواب خیال کیا گیا مگر یہ قیام پاکستان کی فکری سطح پر خشت اول ثابت ہوئی۔ آپ نے فرمایا: "مسلمانوں کا یہ مطالبہ کہ ہندوستان کے اندر ایک مسلم ہند قائم کیا جائے' بالکل جائز ہے۔ میرے خیال میں پنجاب' سندھ' بلوچستان اور سرحد کو مدغم کر کے ایک مملکت تشکیل دی جائے۔ میرے خیال میں کم از کم شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کا تو یہ مقدر بن چکا ہے کہ ان کی واحد اسلامی مملکت قائم ہو گی اور وہ برطانوی سلطنت (دولت مشترکہ) کے باہر یا اندر مکمل طور پر خود مختار ہو گی"

بعد ازاں گول میز کانفرنسز میں ہندوؤں کی ہٹ دھرمی اور لیگ کے دو دھڑوں میں بٹے ہونے کی وجہ سے نیمے دروں نیمے بروں کا معاملہ رہا۔ 1934ء میں حافظ ہدایت حسین کے زیر صدارت بڑا مبارک اجلاس ہوا جس میں دھڑے بندی ختم کر دی گئی اور قائد اعظم کو صدر مان لیا گیا۔ 1935ء میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کا اجراء ہوا۔ وفاقی نظام اور گیارہ صوبوں پر مشتمل نظم قائم کیا گیا۔ 1937ء میں صوبائی انتخابات ہوئے تو کانگریس گیارہ میں سے پانچ صوبوں میں واضح اکثریت کے ساتھ جیتی۔ اس جیت نے کانگرس کی ذہنیت کی پوری طرح غمازی کر دی۔ مخلوط وزارتیں بنانے سے انکار کر دیا۔ مسلم لیگ کے خلاف سازشیں ہونے لگیں۔ مسلم کش پالیسی اختیار کی گئی۔ واردھا سکیم اور ودیا مندر سکیم کے ذریعے مسلمانوں کے تشخص کو بری طرح پامال کیا گیا۔ آخر 1939ء میں جنگ عظیم دوم کا آغاز ہوا تو یہ وزارتیں ٹوٹیں جن پر مسلمانوں نے مسلم لیگ کے زیر قیادت 22 دسمبر 1939ء کو یوم نجات منایا۔ 23 دسمبر 1940ء کو قرارداد لاہور پاس ہوئی۔ مولوی فضل الحق وزیر اعلیٰ بنگال نے قرارداد پیش کی۔ چودھری خلیق الزمان نے تائید کی۔ اس میں کہا گیا۔ "آل انڈیا مسلم لیگ کے اس اجلاس کی یہ سوچی سمجھی رائے ہے کہ ملک میں کوئی دستوری خاکہ قابل عمل یا مسلمانوں کے لیے قابل قبول نہ ہو گا جب تک کہ جغرافیائی لحاظ سے ملحقہ علاقے الگ خطے نہ بنا دیے جائیں۔ ہندوستان کے شمال مغرب اور شمال مشرق جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے' یکجا ہو کر ایسی آزاد ریاستیں بن جائیں جن کے اجزائے ترکیبی خود مختار اور صاحب اقتدار

ہوں۔"

جنگ کے دوران حکومت برطانیہ نے اپنی خراب حالت کی وجہ سے کچھ پیش کشیں کیں جن میں کابینہ کی توسیع نمایاں تھی۔ مسلم لیگ نے تقسیم ہند کے بغیر سب پیش کشوں کو ٹھکرا دیا۔ 1946ء کے الیکشن میں مسلم لگ نے 77 فی صد سے زائد نشستوں پر کامیابی حاصل کی جبکہ اسے 1935ء میں 22 فی صد نشستیں ملی تھیں۔ 19 اپریل 1946ء کو دلی میں مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے جملہ مسلم لیگی ارکان کا ایک کنونشن بلایا گیا جس میں قائد اعظم نے اپنے صدارتی خطبے میں زوردار طریقے سے کہا' کوئی طاقت ہمیں اپنے مقصد (حصول پاکستان) سے نہیں روک سکتی۔ مسلم لیگ کی مسلسل کوششوں اور مخلصانہ قربانیوں سے ہندو اور انگریز کو بالآخر جھکنا پڑا اور 14 اگست 1947ء کو پاکستان معرض وجود میں آیا۔

- - - - - - - - - - - - - - - - - - - -

تبلیغ اسلام کے لیے دو میدان ہیں' ایک خارجی' دوسرا داخلی۔ خارجی میدان وہ ہے کہ جہاں غیر مسلم قوتیں ہیں' جہاں غیر مسلمین میں تبلیغ کرنی ہے۔ داخلی سے مقصود یہ ہے کہ جہاں تک مسلمانوں کے اعمال وعقائد کا تعلق ہ' جس میدان میں مسلمانوں کے اخلاق وعادات کی اصلاح کی ضرورت ہے' کیا انہیں وہاں حقیقی اسلام کا جلوہ نظر آ رہا ہے؟ نہیں تو اسلام کی تبلیغ کا اہم میدان داخلی ہے۔ کیونکہ ہم سے اس کی جلوہ فرمائی دور ہو گئی ہے۔ ہماری آنکھیں حقیقی اسلام کے جلوؤں کو ڈھونڈھتی ہیں' لیکن نہیں دیکھتیں۔ اس لیے صورت حال کو بدل ڈالنے کے لیے ہم سنبھلیں اور قدم اٹھائیں۔ اسلام کی بیرونی تقویت اور اشاعت اسلام خارجی کے لیے ضروری ہے کہ ان میں جو غلط فہمیاں پھیلائی گئی ہیں اور پھیلی ہوئی ہیں' ہم ان کو دور کریں۔ اس کے ساتھ ہی یہ اندازہ کریں کہ فکری زندگی کس رخ جا رہی ہے اور وہ کس چیز کی ضرورت محسوس کر رہی ہے۔ اس کے بعد ہم ان کی ضرورت کی تمام چیزیں اسلام کے خزانے سے نکال کر ان کے سامنے رکھ دیں تو ممکن نہیں کہ وہ کسی اور چوکھٹ پر سر جھکا دیں۔

(مولانا ابو الکلام آزاد)